OPEN ACCESS
Al-ISRA
﴿International Journal of Islamic Thought﴾
ISSN: 2959-3603
www.israjr.com

Al-ISRA
Vol.:4, Issue: 1, Jan -June 2025 PP: 38-54

ججز کے احتساب سے متعلق شریعت اسلامی اور پاکستانی قوانین کا تقابلی جائزہ

Comparative Analysis of Judicial Accountability in Islamic Law and Pakistani Legal System

Published: 25-06-2025
Accepted: 15-06-2025
Received: 20-05-2025

Muhammad Arif
Teaching Assistant, Department of Islamic & Religious Studies, Hazara University, Mansehra
Email arif.hu1981@yahoo.com

Dr. Muhammad Fayyaz
Assistant Professor, Department of Islamic and Religious Studies, Hazara University, Mansehra
Emai; drfayyaz1970@gmail.com

Hasnain Amjad
PhD Scholar, Department of Islamic and Religious Studies, Hazara University, Mansehra
Email: Hasnainamjad0345@gmail.com

Abstract

Judicial accountability is a cornerstone of an effective and credible justice system. Judges play a pivotal role in ensuring the rule of law, protection of fundamental rights, and maintenance of public confidence in the judiciary. Both Islamic law and the Pakistani legal system recognize the necessity of holding judges accountable, though they adopt different foundations and mechanisms for this purpose. This article presents a comparative analysis of judicial accountability under Islamic law and Pakistani laws. Under Islamic law, judicial accountability is primarily rooted in moral, ethical, and religious responsibility, emphasizing justice ('adl), trust (amanah), and accountability before Allah. Classical Islamic jurists laid down strict qualifications for judges and allowed their removal in cases of injustice, corruption, or incompetence, with institutions such as Diwan al-Mazalim serving as oversight mechanisms. In contrast, the Pakistani legal framework establishes judicial accountability through constitutional provisions, particularly Article 209 of the Constitution of Pakistan, which provides for the Supreme Judicial Council as the primary body to inquire into misconduct or incapacity of superior court judges. The Pakistani system seeks to balance accountability with judicial independence through due process and procedural safeguards. The study concludes that while Islamic law emphasizes internal and moral accountability, Pakistani law relies on institutional and legal mechanisms. A harmonized approach combining ethical principles of Islamic law with constitutional safeguards of the Pakistani system may strengthen judicial accountability and enhance public trust in the judiciary.

Keywords: *Judicial Accountability, Islamic Law, Pakistani Legal System, Judges, Supreme Judicial Council, Article 209, Diwan al-Mazalim, Rule of Law, Judicial Independence.*

CC BY

تمہید

نظامِ عدل کسی بھی ریاست کی بنیاد اور معاشرتی استحکام کا ضامن ہوتا ہے، اور اس نظام میں ججز کا کردار نہایت مرکزی اور فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہے۔ عدل و انصاف کا قیام، قانون کی بالادستی، بنیادی حقوق کا تحفظ اور عوام کے اعتماد کا فروغ براہِ راست عدلیہ کی دیانت، غیر جانبداری اور جواب دہی سے وابستہ ہے۔ اگر ججز احتساب سے بالاتر ہو جائیں تو انصاف کا تصور کمزور پڑ جاتا ہے اور ریاستی ڈھانچہ عدم توازن کا شکار ہو جاتا ہے۔ اسی لیے دنیا کے تمام مہذب قانونی نظاموں میں ججز کے احتساب کو ایک بنیادی اصول کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔

شریعتِ اسلامی ایک ہمہ گیر ضابطۂ حیات ہے جو عدل و انصاف کو اپنی اساس قرار دیتی ہے۔ اسلامی قانون میں قاضی (جج) کو ایک معزز مگر نہایت ذمہ دار منصب عطا کیا گیا ہے، جہاں وہ نہ صرف ریاست بلکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی جواب دہ ہوتا ہے۔ قرآن و سنت، فقہائے اسلام اور تاریخی اسلامی ریاستوں کے عملی نمونوں میں ججز کے لیے سخت اخلاقی معیارات، دیانت، تقویٰ اور انصاف کو لازم قرار دیا گیا ہے۔ اسلامی نظام میں قاضی کے احتساب کا مقصد محض سزا دینا نہیں بلکہ عدل کے تسلسل، ظلم کی روک تھام اور عوام کے حقوق کا تحفظ ہے۔ اسی تناظر میں *دیوانِ المظالم* جیسے ادارے قائم کیے گئے جہاں ججز سمیت ریاستی عہدیداران کے خلاف شکایات سنی جاتی تھیں۔

اس کے برعکس، پاکستان میں ججز کے احتساب کا نظام ایک جدید آئینی و قانونی فریم ورک کے تحت قائم ہے۔ آئینِ پاکستان عدلیہ کی آزادی کو ایک بنیادی اصول کے طور پر تسلیم کرتا ہے، تاہم اس آزادی کے ساتھ احتساب کو بھی لازم قرار دیتا ہے تاکہ اختیارات کے ناجائز استعمال کو روکا جا سکے۔ آئین کے آرٹیکل 209 کے تحت سپریم جوڈیشل کونسل کا قیام عمل میں لایا گیا ہے، جو اعلیٰ عدلیہ کے ججز کے خلاف مس کنڈکٹ یا نااہلی کی شکایات کی سماعت کرتی ہے۔ پاکستانی نظام میں احتساب کا عمل طریقۂ کار، شفافیت اور قانونی تحفظات کے ذریعے انجام پاتا ہے تاکہ عدلیہ کو سیاسی یا انتظامی دباؤ سے محفوظ رکھا جا سکے۔

زیرِ نظر مقالہ شریعتِ اسلامی اور پاکستانی قوانین میں ججز کے احتساب کے اصول، طریقۂ کار اور مقاصد کا تقابلی مطالعہ پیش کرتا ہے۔ اس تحقیق کا مقصد یہ جانچنا ہے کہ دونوں نظاموں میں احتساب کی نوعیت، دائرۂ کار اور اثرات کس حد تک مختلف یا مماثل ہیں، اور آیا موجودہ پاکستانی نظام میں اسلامی اخلاقی اقدار سے رہنمائی حاصل کر کے عدالتی احتساب کو مزید مؤثر بنایا جا سکتا ہے یا نہیں۔ یہ مطالعہ نہ صرف عدالتی اصلاحات کے لیے علمی بنیاد فراہم کرتا ہے بلکہ ایک ایسے متوازن عدالتی نظام کی تشکیل میں بھی معاون ثابت ہو سکتا ہے جو اخلاقی اقدار اور آئینی تقاضوں کا حسین امتزاج ہو۔

احتساب کے لغوی معانی:

احتساب" کا لفظ باب افتعال سے آیا ہے، جس کا اصل مادہ "ح، س، ب" ہے۔ اس مادے سے "**حَسَبَ يَحْسُبُ حُسْبَانًا وَحِسَابًا**" کے معنی گننا، شمار کرنا، یا مالی و دیگر چیزوں کا حساب لگانا نکلتے ہیں۔ اسی مادے سے "**حاسِب**" کا لفظ لیا گیا ہے، جس کا مطلب ہے وہ شخص جو حساب کتاب کرتا ہے، اور جس کا حساب کیا جاتا ہے، اسے "**محسوب**" کہا جاتا ہے۔ "حَسَبَ" کا مفہوم گننا، شمار کرنا اور حساب کے مطابق ہونا ہے۔ اسی مفہوم میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بھی ارشاد فرمایا ہے۔

اَلشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ[1]

ترجمہ سورج اور چاند کی گردش ایک مقررہ نظم و ضبط اور باقاعدہ حساب و کتاب کے تحت جاری ہے۔

قرآنِ کریم نے ان کی اس منظّم حرکت کو "حُسبَان" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، جو عربی زبان میں نظم، مقدار، اور ریاضیاتی حساب کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ امام ابن منظور افریقی نے اپنی معروف لغت لسان العرب میں "حَسَبَ" کو باب "نَصَرَ" سے نقل کرتے ہوئے اس کے متعدد معانی ذکر کیے ہیں، جن میں ایک معنی "عزت" اور "بلندیٔ نسب" کا بھی ہے۔ اس شرافت کو وہ وصف قرار دیا گیا ہے جو کسی انسان کو اپنے آباء واجداد سے میراث میں حاصل ہوتا ہے، اور جس پر فرد فخر و اعزاز کے ساتھ معاشرتی مجالس میں گفتگو کرتا ہے۔[2]

لفظ "**حَسِيْب** " ایسے شخص کے لیے استعمال ہوتا ہے جو اپنے خاندانی پس منظر اور نسبی شرافت کی بنا پر معزز سمجھا جاتا ہو، اور اس کا جمعی صیغہ "**حُسَبَاء** " آتا ہے۔ جب اسے باب "سَمِعَ " سے لیا جائے، یعنی "حَسِبَ يَحْسِبُ حَسبًا"، تو اس کا مطلب ہوتا ہے کسی چیز کے بارے میں خیال قائم کرنا یا اس کا گمان کرنا۔ اسی باب میں اس کے ایک اور مفہوم کے تحت بعض اوقات بیماری کے سبب جلد کی سفیدی بھی مراد لی جاتی ہے۔

لفظ "ح، س، ب" جب مزید فیہ (ثلاثی مزید) صیغوں میں آتا ہے تو اس کے مختلف معانی سامنے آتے ہیں۔ اگر اس مادے کو **باب** افعال میں لایا جائے تو مثال کے طور پر "اَحْسَبَ الشَّئِ ءُ فُلَانًا" کے معنی ہوتے ہیں کہ کوئی چیز کسی شخص کے لیے کفایت کر گئی، یا "اَحْسَبَ فُلَانٌ فُلَانًا" کا مطلب ہے کہ ایک نے دوسرے کو اتنا دیا کہ اس کی ضرورت پوری ہو گئی۔

باب مفاعلہ میں یہ لفظ حساب و شمار یا لین دین کے مفہوم میں آتا ہے، جب کہ اسی باب میں انعام و عطا کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے۔ باب تفاعل میں یہ باہمی حساب کتاب یا معاملہ طے کرنے کے معنوں میں آتا ہے، اور باب تفعیل میں یہ لفظ کسی کے حسب و نسب یا خاندانی خصوصیات کو نمایاں اور مشہور کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔[3]

احتساب" باب افتعال کا مصدر ہے، اور جب اس کے ساتھ حرف باء آتا ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کسی چیز پر اکتفا کرنا، جیسے "**اِحْتَسَبَ بِكَذَا**"، یعنی کسی چیز پر اکتفا کرنا۔ اگر "احتساب" کے ساتھ "علیٰ" آ جائے، جیسے "**اِحْتَسَبَ عَلٰی فُلَانٍ الْاَمْرَ**"، تو اس کا مطلب ہوتا ہے کسی شخص کی بات کو ناپسند کرنا۔ اگر "**اِحْتَسَبَ**" کے بعد اجر کا لفظ آئے، جیسے "**اِحْتَسَبَ الْاَجْرَ عَلَى اللهِ**"، تو اس کا مفہوم ہوتا ہے اللہ سے جزا کی امید رکھنا، یا "**اِحْتَسَبَ فُلَانٌ وَلَدَهٗ**"، یعنی اولاد کی موت پر صبر کرتے ہوئے اللہ سے ثواب کی امید رکھنا۔ **احتسب**" مثلاً "**احتسب اجرًا**" کا مطلب ہے کہ اس نے اجر و صلہ کا حساب کیا یا آخرت میں اللہ سے ملنے والی جزا کی امید رکھی۔ ابن منظور افریقی کے مطابق، احتساب نیک اعمال کے ساتھ خاص ہے۔ مصیبت میں بندے کا احتساب یہ ہوتا ہے کہ وہ صبر کرے، اللہ کی رضا پر راضی رہے، اور اس کے بدلے اجر کی توقع رکھے۔ اسی طرح، ہر نیکی کو ثواب کی نیت سے مکمل کرنا بھی احتساب کہلاتا ہے۔[4]

احتساب کا اصطلاحی مفہوم:

اسلامی فقہ میں "حسبہ" کو ایک باقاعدہ ادارہ جاتی نظام کے طور پر پیش کیا گیا ہے، جو معاشرے میں نیکی کے فروغ اور برائی کے انسداد کے لیے قائم کیا جاتا ہے۔ اس نظام کے عملی نفاذ کی ذمہ داری جس فرد کے سپرد کی جاتی ہے، اسے "محتسب" کہا جاتا ہے، جبکہ بعض فقہی مصادر میں اسے "والیِ حسبہ" کے لقب سے بھی یاد کیا گیا ہے۔ امام ماوردیؒ نے اپنی تصانیف میں اس ادارے کی اہمیت واضح کرتے ہوئے محتسب کے اختیارات اور ذمہ داریوں کو مفصل انداز میں بیان کیا ہے۔ ان کے نزدیک یہ ایک شرعی عہدہ ہے جو حکومتی نظم و ضبط کا حصہ بن کر سماجی اصلاح کا مؤثر ذریعہ بنتا ہے۔

"هو امرٌ بالمعروفِ اَذَا ظَهرَ ترْكُه وَنهيٌ عنِ المنكرِ اذا ظهرَ فِعْلُه"[5]

اسلامی تعلیمات میں احتساب کا مرکزی تصور یہ ہے کہ جب فرد یا معاشرہ نیکی سے غفلت برتنے لگے تو اسے اس کی طرف متوجہ کیا جائے، اور اگر کسی برائی کا ارتکاب ہونے لگے تو اس کی روک تھام کی جائے۔ فقہی متون میں "حسبہ" کا تصور بنیادی طور پر "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" کے قرآنی اصول سے وابستہ ہے۔ "کشاف اصطلاح الفنون" میں اس اصطلاح کو ایک ایسے مربوط اور منظّم نظام کے طور پر بیان کیا گیا ہے جس کا مقصد شرعی اصولوں کی روشنی میں نیکیوں کو فروغ دینا اور برائیوں کا سدِ باب کرنا ہے۔

اسلامی فقہ اور اخلاقیات میں "حسبہ" ایک ہمہ گیر اصطلاح ہے، جس میں وہ تمام افعال شامل ہیں جو خالصتاً اللہ کی رضا کے حصول کی نیت سے سرانجام دیے جائیں، جیسے اذان دینا، اقامت کہنا، سچائی پر مبنی گواہی دینا وغیرہ۔ بعض فقہی آراء کے مطابق قضا جیسے رسمی ریاستی فرائض بھی حسبہ کے دائرہ کار میں آسکتے ہیں۔

عرفی اعتبار سے اس اصطلاح کا استعمال بالخصوص ان اجتماعی و عوامی امور پر ہوتا ہے جو سماجی اصلاح اور معاشرتی بہتری سے متعلق ہوں، جیسے منکرات کی روک تھام (جیسے شراب نوشی، فحش سرگرمیوں اور غیر شرعی موسیقی کے آلات کا انسداد)، عوامی راستوں کی درستگی اور کھلے مقامات کی نگرانی۔[6]

اسلام کا تصور حیات محض چند عبادات یا قانونی احکام تک محدود نہیں، بلکہ یہ ایک ہمہ گیر نظامِ زندگی ہے جو انسانی وجود کے ہر پہلو کا احاطہ کرتا ہے۔ اسی جامعیت کے پیش نظر اسلامی تعلیمات کا تقاضا ہے کہ ہر شعبۂ زندگی میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پابندی کی جائے۔ جہاں کہیں ان احکامات کی خلاف ورزی یا غفلت پائی جائے، وہاں "حسبہ" کا ادارہ اصلاحی کردار ادا کرتا ہے اور معاشرے کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس ضمن میں امام ابن تیمیہؒ نے "نظامِ حسبہ" کے مفہوم اور اس کے دائرہ کار پر تفصیلی گفتگو کی ہے اور اس ادارے کی شرعی بنیادوں کو مدلل انداز میں واضح کیا ہے۔

"وجميع هذه الولايات هي في الاصل ولاية شرعية ومناصب دينية فأى من عدل في ولاية من هذه الولايات فساسها بعلم وعدل واطاع الله ورسوله بحسب الامكان فهو من الابرار الصالحين وأى من ظلم وعمل فيها بجهل فهو من فجار الظالمين۔"[7]

امام ابن تیمیہؒ کے نزدیک حسبہ کا ادارہ براہِ راست "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" جیسے بنیادی اسلامی اصولوں پر قائم ہے۔ تاہم، ان کا موقف یہ ہے کہ حسبہ کی نوعیت ایسی نہیں کہ اسے حکومتی حکام، قاضیوں یا روایتی انتظامی ڈھانچوں کے ماتحت سمجھا جائے۔ ان کی یہ وضاحت اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ حسبہ بنیادی طور پر ایک عوامی اصلاحی ذمہ داری ہے، جو ایسے مواقع پر بروئے کار آتی ہے جہاں ریاستی ادارے کسی وجہ سے براہِ راست اقدام نہ کر سکیں۔ اس طرح یہ ادارہ معاشرتی سطح پر نیکی کے فروغ اور منکرات کے انسداد میں ایک آزاد اور خود مختار کردار ادا کرتا ہے۔

"وأما المحتسبُ فله الأمر بِالْمَعروفِ ونهى عنِ المنْكرِ ممّا ليسَ مِنْ خَصائصِ الوُلاةِ والقضاة وأهل الديوان ونحوهم وكثير من أمور الدينية هو مشترك بين ولاة الأمور"[8]

احتساب ایک دینی فریضہ ہے جو بنیادی طور پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اصولوں پر قائم ہے۔ یہ ایک عمومی ذمہ داری ہے جسے ہر فرد اپنی حیثیت کے مطابق ادا کر سکتا ہے، اور ہر شخص اپنے زیر اثر افراد، جیسے بیوی، بچے، اور ماتحتوں کا احتساب

کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔

احتساب کا عمل اس امر پر منحصر ہوتا ہے کہ احتساب کرنے والا اور جس کا احتساب کیا جا رہا ہے، ان دونوں کے مابین تعلق کی نوعیت کیا ہے، اور کن اعمال کا محاسبہ مطلوب ہے۔ اس لیے احتساب کی صورت اور دائرہ کار مختلف حالات میں مختلف ہو سکتا ہے۔ تاہم، جب اسی عمل کو اسلامی ریاست کے ادارہ جاتی ڈھانچے میں دیکھا جائے تو یہ ایک باضابطہ نظام کی شکل اختیار کر لیتا ہے، جس کی اصل ذمہ داری ریاست کے سربراہ یا حکمران پر عائد ہوتی ہے۔

حاکمِ وقت پر یہ شرعی فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ رعایا کو دینی گمراہی اور معاشرتی بگاڑ سے محفوظ رکھے، اور ان کی فلاح دارین (دین و دنیا کی بھلائی) کو یقینی بنائے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے وہ کسی منظّم ادارے کا قیام عمل میں لا سکتا ہے، یا مخصوص افراد کو حسبہ کی ذمہ داریاں سونپ سکتا ہے تاکہ وہ حاکم کی نمائندگی میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جیسے فرائض سرانجام دیں۔ یہ افراد مناسب وسائل اور حکمتِ عملی استعمال کرتے ہوئے اس فریضے کو عملی شکل دینے کے پابند ہوتے ہیں۔

احتساب کی مشروعیت اور ضرورت واہمیت:

اسلام کا بنیادی مقصد ایک ایسا عادلانہ، پُرامن اور باہمی فلاح پر مبنی معاشرہ قائم کرنا ہے، جس میں ہر فرد اپنے تخلیقی مقصد یعنی شعوری طور پر اللہ کی بندگی اور اطاعت کو اختیار کرنے کے مواقع سے بہرہ ور ہو۔ اس مقصد کے عملی اظہار کے لیے اسلام نے نہ صرف عبادات اور شخصی اخلاقیات پر زور دیا ہے بلکہ ایک منظّم سماجی نظام بھی مہیا کیا ہے، جس کی اساس "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" پر ہے۔ یہ فریضہ صرف نظریاتی نہیں بلکہ عملی و ادارہ جاتی سطح پر بھی اسلام کی اجتماعی زندگی میں نمایاں نظر آتا ہے۔

اسی اصول کی مادی اور انتظامی صورت "نظامِ حسبہ" کے قیام میں سامنے آتی ہے، جو اسلامی ریاست میں شرعی حدود کے تحفظ، معاشرتی نظم کی نگرانی، اور عوامی اخلاق و آداب کی پاسداری کا مؤثر ذریعہ بنتا ہے۔ یہ نظام نہ صرف انفرادی کردار سازی میں معاون ہے بلکہ ایک اسلامی معاشرے کی اخلاقی بنیادوں کو مستحکم کرنے میں بھی کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ حسبہ کا تصور محض ایک سرکاری ذمہ داری نہیں، بلکہ یہ ہر مسلمان کی اخلاقی و اجتماعی فرضیت کا جزوِ لازم ہے، جس کی ادائیگی سے اجتماعی بھلائی ممکن ہوتی ہے۔

اگر معاشرے میں اس فریضے سے غفلت برتی جائے یا اسے ترک کر دیا جائے تو اس کے نتیجے میں شریعت کے اصول پامال ہونے لگتے ہیں، عدل و مساوات کا توازن بگڑ جاتا ہے، اور معاشرہ اخلاقی پستی، جرائم کے فروغ اور معاشی عدم استحکام جیسی مہلک خرابیوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ ایسے حالات اسلامی ریاست کے نصب العین اور اس کی روح کے سراسر منافی ہوتے ہیں۔

احتساب کا حکم:

امر بالمعروف" یعنی نیکی کی تلقین اور "نہی عن المنکر" یعنی برائی سے روکنے کا فریضہ اسلامی شریعت کے بنیادی اور ہمہ گیر اصولوں میں شمار ہوتا ہے، جو ہر مسلمان پر اس کی حیثیت، استطاعت اور دائرۂ اثر کے مطابق واجب ہے۔ فقہی نقطۂ نظر سے یہ ذمہ داری عمومی طور پر فرضِ کفایہ کے درجے میں آتی ہے، یعنی اگر امت کا ایک مخصوص طبقہ یا جماعت اس فریضے کو ادا کرے تو باقی افراد بری الذمہ سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن اگر یہ فریضہ اجتماعی طور پر ترک کر دیا جائے تو اس کی حیثیت فرضِ عین اختیار کر لیتی ہے، جس کی براہِ راست ذمہ داری سب سے پہلے ریاست کے سربراہ یا حاکمِ وقت پر عائد ہوتی ہے کہ وہ اس کی تنفیذ کو یقینی بنائے۔

علمائے تفسیر نے اس فریضے کے فرضِ کفایہ ہونے پر قرآنِ مجید سے استدلال کیا ہے، جیسا کہ سورۃ آلِ عمران میں فرمایا گیا:

وَ لْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ١ وَ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ[9]

ترجمہ" :اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ضرور ہونی چاہیے جو بھلائی کی طرف بلائے، نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے۔"

یہ آیت کریمہ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ ایک منظّم اور فعال جماعت کا وجود، جو "امر بالمعروف" اور " نہی عن المنکر" جیسے دینی فرائض کو ادا کرے، اسلامی معاشرت کے استحکام کے لیے ناگزیر ہے۔ ایسے ادارہ جاتی نظم ہی سے معاشرے میں خیر کا فروغ اور فساد کا انسداد ممکن ہو سکتا ہے۔

نظامِ حسبہ اسی قرآنی اصول کا عملی اظہار ہے، جس کی انجام دہی کا فریضہ شریعت نے ہر مسلمان پر اس کی ذاتی استطاعت، اختیار اور سماجی حیثیت کے مطابق لازم قرار دیا ہےاس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصلاح معاشرہ کی یہ شرعی ذمہ داری ہر مسلمان پر اس کی استطاعت کے مطابق عائد ہوتی ہے، تاکہ ایک منظّم اور پاکیزہ اسلامی معاشرہ وجود میں آ سکے۔:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ[10]

ترجمہ: " جتنا ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو۔

محتسبِ متطوع کی استطاعت محدود ہوتی ہے، اس لیے اس کی ذمہ داری بھی اس کی طاقت کے مطابق کم ہوتی ہے۔ اس کے برعکس، محتسبِ متولی کی استطاعت زیادہ ہونے کی وجہ سے اس پر ذمہ داری بھی بڑھ جاتی ہے۔ چونکہ حکمرانی اور سلطنت طاقت کا بڑا ذریعہ ہیں، اس لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا نظم و نسق بنیادی طور پر حکمران کا فرض ہے، اور اس کا ذمہ اس فریضے کی تکمیل میں سب سے اہم ہوتا ہے۔ اس فریضے کے حتی الوسع نفاذ کی اہمیت پر ایک حدیث بھی گواہ ہے۔"

من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذالك اضعف الایمان"[11]

تم میں سے جو کوئی برائی کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ اپنے ہاتھ سے اسے روکے، اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے منع کرے، اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو دل میں برا جانے، اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔"

اس حدیثِ مبارکہ سے یہ بنیادی اصول واضح طور پر اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام اپنے پیروکاروں کو ان کے حالات، استعداد اور وسائل کے مطابق ذمہ دار ٹھہراتا ہے، اور کسی فرد پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ "امر بالمعروف" اور " نہی عن المنکر" کی ذمہ داری کلی طور پر کسی حال میں بھی معاف نہیں ہوتی، بلکہ اس کی ادائیگی کا دائرہ فرد کی عملی استعداد، سماجی مقام اور حالات کے تقاضوں کے مطابق مختلف درجات میں باقی رہتا ہے۔

یہ تصور اس امر کی غمازی کرتا ہے کہ دینِ اسلام ایک معتدل، متوازن اور انسانی فطرت کے قریب ترین ضابطہ حیات فراہم کرتا ہے، جو نہ صرف سہولت و حکمت کا پہلو رکھتا ہے بلکہ فرد و معاشرہ دونوں کی اصلاح و تزکیہ کو بھی مسلسل برقرار رکھتا ہے۔ یہی اصول نظام حسبہ کی شرعی حیثیت کو تقویت دیتا ہے، جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو ایک منظّم اجتماعی فریضہ کی صورت میں نافذ کرنے کی بنیاد فراہم کرتا ہے، اور ہر فردِ مسلمان کو اس دینی و معاشرتی فریضے کی کسی نہ کسی سطح پر ادائیگی کا مکلّف

بناتا ہے۔

ججز کا احتساب اور اسلامی قوانین

اسلامی قانون میں منصبِ قضاء ایک عظیم امانت ہے، جس کے ساتھ سخت جواب دہی اور احتساب لازم ہے۔ قرآنِ مجید قاضی کو عدل و دیانت کا پابند بناتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ﴾[12]

یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے حقداروں تک پہنچاؤ اور لوگوں کے درمیان عدل کے ساتھ فیصلہ کرو۔ یہ آیت منصبِ قضاء کو "امانت" قرار دیتی ہے اور واضح کرتی ہے کہ عدل سے انحراف قاضی کو قابلِ احتساب بناتا ہے۔ قاضی کو منصبِ امانت قرار دیا گیا، عدل سے انحراف قابلِ مواخذہ ہے۔

مزید برآں قرآن قاضی کو ہر قسم کے ذاتی مفاد، رشتہ داری اور دباؤ سے بالاتر ہو کر انصاف کرنے کی تلقین کرتا ہے:

﴿كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ﴾[13]

، اور تعصب یا دشمنی کی بنیاد پر انصاف سے انحراف کو ممنوع قرار دیتا ہے۔ عدل کے قیام میں ذاتی تعلقات یا مفاد کو فوقیت نہیں دی جا سکتی۔

اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ﴾[14]

یہ اصول قاضی کی غیر جانب داری، عدل اور شفافیت کو لازمی قرار دیتے ہیں، اور عدلیہ میں کسی قسم کی بدعنوانی یا تعصب کی صورت میں اس کے احتساب کی شرعی ضرورت کو واضح کرتے ہیں۔ تعصب یا دشمنی کی بنیاد پر فیصلہ شرعاً ممنوع اور قابلِ احتساب ہے۔

سنتِ نبوی ﷺ میں قضاۃ کے احتساب کا تصور نہایت واضح ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الْقُضَاةُ ثَلَاثَةٌ: قَاضٍ فِي الْجَنَّةِ، وَقَاضِيَانِ فِي النَّارِ[15]

، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ناحق یا جہالت پر مبنی فیصلے پر قاضی سخت مواخذے کا مستحق ہے، جبکہ عدل کرنے والے قاضی کے لیے اعلیٰ دینی مقام کا وعدہ بھی ہے۔ ناحق یا جہالت پر مبنی فیصلے پر قاضی اخروی مواخذے کا مستحق ہے۔ آپ ﷺ نے مزید فرمایا:

«الْمُقْسِطُونَ عَلَىٰ مَنَابِرَ مِنْ نُورٍ... الَّذِينَ يَعْدِلُونَ فِي حُكْمِهِمْ[16]

یعنی انصاف کرنے والے قاضی نور کے منبر پر ہوں گے۔ عدل پر فیصلہ کرنے والے قاضی کا دینی و اخلاقی مقام بلند ہے احادیث میں عدالتی بدعنوانی خصوصاً رشوت کے بارے میں سخت وعید بھی آئی ہے:

لَعَنَ اللَّهُ الرَّاشِيَ وَالْمُرْتَشِيَ- [17]

یہ تمام نصوص قاضی کے لیے اخلاقی، دینی اور شریعتی معیار فراہم کرتی ہیں کہ وہ عدل، غیر جانبداری اور دیانت کے ساتھ فیصلے کرے، اور کسی بھی خلاف ورزی کی صورت میں دنیوی و اخروی احتساب کے تابع ہو۔ رشوت یا مالی بدعنوانی قاضی کے لیے شدید ممنوع اور قابلِ سزا جرم ہے۔

فقہائے اسلامی نے ان قرآنی و نبوی اصولوں کو عملی صورت دی ہے۔ امام ماوردیؒ فرماتے ہیں:

وَإِذَا ظَهَرَ مِنَ الْقَاضِي جَوْرٌ أَوْ خِيَانَةٌ وَجَبَ عَزْلُهُ[18]

، یعنی جب قاضی سے ظلم یا خیانت ظاہر ہو جائے تو اس کی معزولی واجب ہے۔ ظلم یا خیانت کی صورت میں قاضی کی معزولی شرعی اور قانونی طور پر واجب ہے۔

امام ابو یوسفؒ اس پر مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَعَلَى الْإِمَامِ أَنْ يَنْظُرَ فِي أَحْوَالِ الْقُضَاةِ فَإِنْ ظَلَمُوا عَزَلَهُمْ[19]

، جو اسلامی ریاست میں عدلیہ کی ادارہ جاتی نگرانی اور احتساب کی واضح بنیاد فراہم کرتا ہے۔ ریاست پر لازم ہے کہ قاضیوں کی نگرانی اور احتساب کرے۔

ابن تیمیہؒ عدل کو ریاست کی بقا سے جوڑتے ہوئے فرماتے ہیں:

إِنَّ اللَّهَ يُقِيمُ الدَّوْلَةَ الْعَادِلَةَ... وَلَا يُقِيمُ الدَّوْلَةَ الظَّالِمَةَ[20]

، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عدل اور شفافیت نہ صرف قاضی کے فردی کردار کے لیے ضروری ہیں بلکہ اسلامی ریاست کے استحکام کے لیے بھی لازمی ہیں۔ عدل ریاستی استحکام کی بنیاد ہے، اور ظلم ریاست کو قائم نہیں رہنے دیتا۔

فقہاء کے نزدیک قاضی کا احتساب متعدد پہلو رکھتا ہے: (1) عدل و انصاف کے فقدان کی صورت میں دینی مواخذہ، (2) بدعنوانی، رشوت یا مالی نقصان پہنچانے کی صورت میں دنیاوی اور شرعی سزا، (3) منصب سے معزولی اور برطرفی، اور (4) ریاستی اداروں کے ذریعے نگرانی۔ اس سلسلے میں امام ماوردی، ابو یوسف اور ابن تیمیہ نے واضح اصول وضع کیے ہیں کہ قاضی کی عدالتی اور اخلاقی ذمہ داریوں کی خلاف ورزی پر ریاست کو فوری اور سخت اقدامات کرنے کا اختیار ہے، تاکہ عدلیہ کی شفافیت اور عوام کا اعتماد برقرار رہے۔ اس کے علاوہ، قرآن و سنت قاضی کی غیر جانبداری، عدل، دیانت، اور مالی سالمیت کو لازمی قرار دیتے ہیں، اور ان اصولوں کی خلاف ورزی پر دنیوی اور اخروی احتساب کو ناگزیر قرار دیتے ہیں، جو اسلامی عدالتوں میں قاضی کے احتساب کا جامع نظام فراہم کرتے ہیں۔

ججز کا احتساب اور پاکستانی قوانین

پاکستان کے عدالتی نظام میں ججوں کے احتساب کے لیے ایک مخصوص قانونی اور آئینی فریم ورک موجود ہے، جو انہیں بھی جواب دہ بناتا ہے، جیسا کہ دیگر ریاستی عہدوں پر فائز افراد قانون کے تحت جواب دہ ہوتے ہیں۔ اگرچہ جج کا منصب نہایت حساس اور باوقار سمجھا جاتا ہے، تاہم ان کی کارکردگی، اخلاقی رویے اور قانونی تقاضوں کی نگرانی کے لیے ریاست نے کچھ واضح قوانین اور ضوابط مرتب کیے ہیں۔

تعزیراتِ پاکستان 1860ء کے مطابق "سرکاری ملازم (Public Servant)" کی جو تعریف بیان کی گئی ہے، اُس میں عدلیہ کے اراکین، بشمول جج صاحبان بھی شامل ہیں۔ اس تعریف کی روشنی میں جج حضرات بھی عمومی ریاستی نظم و نسق کے تابع تصور ہوتے ہیں، اور ان کے طرزِ عمل کو قانونی جانچ کے دائرے میں لایا جا سکتا ہے۔ اگر کسی جج پر بددیانتی، جان بوجھ کر غفلت، یا کسی قانونی خلاف ورزی کا الزام ثابت ہو جائے، تو اس کے خلاف وہی قواعد لاگو ہو سکتے ہیں جو عمومی طور پر دیگر سرکاری ملازمین پر نافذ ہوتے ہیں۔

تاہم، ججوں کے منصب کی نزاکت اور عدلیہ کی آزادی کے پیشِ نظر ان کے احتساب کے لیے ایک علیحدہ اور باوقار آئینی

طریقہ کار بھی وضع کیا گیا ہے۔ آئینِ پاکستان کے آرٹیکل 209 کے تحت سپریم جوڈیشل کونسل کا قیام اسی مقصد کے لیے عمل میں آیا، تاکہ اعلیٰ عدلیہ کے ججوں کے خلاف شکایات کی شفاف اور بااعتماد انداز میں چھان بین کی جا سکے، بغیر اس کے کہ عدالتی آزادی یا وقار مجروح ہو۔[21]

اسی طرح، تعزیراتِ پاکستان ۱۸۶۰ء میں جج کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے کہ "جج وہ فرد ہے جو قانونی طور پر کسی مقدمے کا فیصلہ کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔"[22]

پاکستانی آئینی و قانونی نظام میں اس بات کو اصولی حیثیت حاصل ہے کہ جج بھی ریاستی نظم و نسق کے انتظامی ڈھانچے کا حصہ تصور کیے جاتے ہیں، اور انہیں سرکاری ملازم کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ اسی نسبت سے، اگر کوئی جج اپنے منصبی اختیارات کی انجام دہی میں دانستہ غفلت یا کسی غیر قانونی عمل کا مرتکب ہو، تو اس کے خلاف قانونی کارروائی کا دروازہ بند نہیں ہوتا۔

تاہم، دیگر سرکاری اہلکاروں کے برعکس، ججوں کو بعض مخصوص قانونی تحفظات حاصل ہیں، جن کا مقصد عدلیہ کی آزادی، غیر جانب داری اور وقار کو یقینی بنانا ہے۔ ان میں ایک اہم تحفظ یہ ہے کہ اگر کسی مقدمے کے کسی فیصلے یا عدالتی کارروائی سے کسی فریق کو نقصان پہنچے، تو محض اس بنیاد پر جج کے خلاف نہ تو فوجداری مقدمہ دائر کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی کوئی انتقامی قانونی چارہ جوئی کی جا سکتی ہے۔

تعزیراتِ پاکستان 1860ء میں اس اصول کو واضح طور پر تسلیم کیا گیا ہے کہ اگر کوئی جج اپنے قانونی اختیارات کے دائرہ میں رہتے ہوئے نیک نیتی سے کسی عدالتی کارروائی یا فیصلے کی انجام دہی کرتا ہے، تو اسے مجرمانہ اقدام نہیں گردانا جائے گا۔ اس تصور کو "عدالتی استثنیٰ (Judicial Immunity)" کے عنوان سے قانونی تحفظ حاصل ہے، جس کا بنیادی مقصد عدالتی نظام کو دباؤ، دھمکی یا ناراضی کے خدشات سے محفوظ رکھنا ہے۔

یہ تحفظ جج حضرات کو اس بات کی ضمانت فراہم کرتا ہے کہ وہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں آزاد اور غیر جانب دار رہیں، اور ان کے فیصلوں کو محض فریقین کی ناپسندیدگی یا اختلاف کی بنا پر چیلنج نہ کیا جا سکے، جب تک کہ ان پر بدنیتی، اختیارات سے تجاوز یا قانون شکنی ثابت نہ ہو جائے۔[23]

اگر کوئی جج دانستہ طور پر ایسا فیصلہ صادر کرے جو قانون کی صریح خلاف ورزی پر مبنی ہو، تو پاکستانی قانون میں اس مخصوص صورت حال کے لیے کوئی جامع اور قطعی قانونی ضابطہ موجود نہیں ہے، جو اس بات کا تعین کرے کہ ایسے نقصان کی ذمہ داری فرداً جج پر عائد ہوتی ہے یا ریاست پر۔ اس قانونی ابہام کے باوجود، متاثرہ فریق کو اپیل کا قانونی حق حاصل ہوتا ہے، اور اگر معاملہ اعلیٰ عدلیہ سے متعلق ہو تو نظرِ ثانی کی درخواست دائر کی جا سکتی ہے۔

البتہ، جب کسی جج کے خلاف سنگین نوعیت کے الزامات مثلاً جانبدارانہ رویہ، رشوت کا لین دین، اختیارات کا ناجائز استعمال یا دیگر اقسام کی مالی یا اخلاقی بدعنوانی عائد کی جائے، تو اس کے لیے ملکی عدالتی و احتسابی نظام میں مخصوص طریقۂ کار موجود ہے۔ ماتحت عدلیہ سے وابستہ ججوں، جیسے سیشن جج یا سول جج کے خلاف شکایات یا کارروائی کا اختیار متعلقہ ہائی کورٹ کو حاصل ہوتا ہے۔ اس کے برعکس، اعلیٰ عدلیہ یعنی سپریم کورٹ یا ہائی کورٹس کے مستقل جج صاحبان کے احتساب کے لیے آئینِ پاکستان 1973ء کے آرٹیکل 209 کے تحت قائم کردہ سپریم جوڈیشل کونسل ہی مجاز ادارہ ہے۔

جہاں تک سرکاری اہلکاروں کے احتساب کا تعلق ہے، اگر کسی افسر پر کرپشن یا رشوت کے الزامات ثابت ہو جائیں تو

انسدادِ بدعنوانی کے قوانین کے مطابق متعلقہ اتھارٹی اسے قید (زیادہ سے زیادہ تین سال) یا جرمانے کی سزا دے سکتی ہے۔ چونکہ جج بھی قانونی لحاظ سے ریاستی ملازم شمار ہوتے ہیں، لہٰذا ان پر بھی وہی ضوابط لاگو ہو سکتے ہیں، بشرطیکہ ان کا طرزِ عمل آئینی و عدالتی تحفظ کی حدود سے باہر ہو۔

> *Public servant taking gratification other than legal remuneration in respect to an official act.*[24]

اگر کوئی سرکاری عہدے پر فائز شخص اپنے فرائضِ منصبی کی انجام دہی کے بدلے میں ناجائز طور پر کسی قسم کا مالی فائدہ حاصل کرے، تو قانونِ تعزیراتِ پاکستان کے مطابق اسے تین سال تک قید، جرمانہ، یا دونوں سزائیں دی جاسکتی ہیں۔ اس قانونی اصول کی وضاحت کے لیے ضابطۂ فوجداری میں ایک تمثیل بھی دی گئی ہے، جس سے یہ امر بخوبی نمایاں ہوتا ہے کہ اگر کوئی عدالت کا جج کسی غیر قانونی سرگرمی میں شریک ہو، تو وہ بھی دیگر عوامی عہدیداروں کی طرح سزا کا مستحق ہوگا۔

ایک جج الف، ض سے، جس کا مقدمہ اس کی عدالت میں زیر سماعت ہے، سرکاری پرامیسری نوٹ کٹوتی پر خریدتا ہے، جبکہ یہ نوٹ بازار میں زیادہ قیمت پر فروخت ہو رہا ہو۔ اس طرح الف نے ض سے ایک قیمتی چیز بلا مناسب معاوضہ حاصل کی۔"

جہاں تک غلط فیصلے کی صورت میں جج کی ذمہ داری کا تعلق ہے، تو اس حوالے سے کوئی واضح قانونی حکم موجود نہیں۔ تاہم، یہ اصول تسلیم شدہ ہے کہ اگر کوئی سرکاری ملازم (جس میں جج بھی شامل ہے) قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کسی کو نقصان پہنچائے تو اسے ایک سال تک قیدِ بلامشقت، جرمانہ یا دونوں سزائیں دی جاسکتی ہیں۔

> *Whoever, being a public servant, knowingly disobeys any direction of the law as to the way in which he is to conduct himself as such public servant intending to cause, or knowing it to be likely that he will by such disobedience cause injury to an person, shall be punished with simple imprisonment for a term which may extend to one year, or with fine, or with both.*[25]

اگر کوئی سرکاری ملازم دانستہ طور پر قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کسی کو نقصان پہنچائے یا کسی کو جسمانی گزند پہنچانے کی نیت سے قانون توڑے، تو اسے ایک سال تک قیدِ بلامشقت، جرمانہ یا دونوں سزائیں دی جاسکتی ہیں۔

پاکستان میں ججز کے احتساب کی مثالیں:

پاکستان میں وقتاً فوقتاً اعلیٰ عدلیہ کے ججوں کو مختلف وجوہات کی بنیاد پر احتساب کے عمل کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ 1960ء میں مغربی پاکستان ہائی کورٹ کے جج، جسٹس اخلاق حسین، پر بدانتظامی اور قواعد کی خلاف ورزی کے الزامات سامنے آئے۔ ان پر یہ دعویٰ کیا گیا کہ انہوں نے ذاتی استعمال کے لیے بیرونِ ملک سے درآمد کی گئی بندوق کو بعد میں فروخت کر دیا۔ یہ معاملہ سپریم جوڈیشل کونسل کے سامنے پیش کیا گیا، مگر اس سے قبل کہ کوئی حتمی فیصلہ صادر ہو، جسٹس اخلاق حسین نے استعفیٰ دے دیا۔

سنہ 1980ء میں پشاور ہائی کورٹ کے اُس وقت کے چیف جسٹس، جناب سید صفدر شاہ، کے خلاف آئینِ پاکستان کے تحت ایک صدارتی ریفرنس دائر کیا گیا۔ ان پر یہ سنگین الزام عائد کیا گیا کہ انہوں نے وفاقی سکیورٹی فورس (FSF) کے ایک رکن، سید عباس، کے حق میں اثر و رسوخ استعمال کرنے کی کوشش کی، جو کہ سابق وزیرِاعظم ذوالفقار علی بھٹو کے قتل کے مقدمے میں شریک ملزم کے طور پر زیرِ حراست تھا۔ الزام کے مطابق، جسٹس صفدر شاہ نے مبینہ طور پر ایک سپریم کورٹ کے جج سے اس شخص کی رہائی کے لیے سفارش کرنے کی کوشش کی۔ اس واقعے کی مکمل تحقیقات سپریم جوڈیشل کونسل کے روبرو عمل

میں آئیں، اور ضروری کارروائی کے بعد کونسل نے انہیں ان کے منصب سے برطرف کر دیا۔[26]

22اکتوبر 2010 کو پشاور ہائی کورٹ نے عدالتی نظم و ضبط کی خلاف ورزی اور مبینہ مالی بدعنوانیوں کی بنیاد پر دو ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن ججز، جناب فیض اللہ خان اور شاہد نسیم خان، کو ان کے فرائضِ منصبی سے معطل کرنے کے احکامات صادر کیے۔ اس اقدام کی بنیاد ان پر عائد وہ سنگین الزامات تھے جن میں مالی بے ضابطگیوں اور اختیارات کے ناجائز استعمال جیسے امور شامل تھے۔ اسی طرح، پیشہ ورانہ اخلاقیات کی خلاف ورزی، جسے قانونی اصطلاح میں "مس کنڈکٹ (Misconduct) " کہا جاتا ہے، کی بنیاد پر دیگر تین ججز جسٹس سید اصغر خان، فقیر الرحمٰن جدون، اور سجاد انور کو بھی پشاور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کی جانب سے معطلی کا سامنا کرنا پڑا۔

عدلیہ کے احتساب کے عمل میں وقت کے ساتھ ایک اور قابلِ ذکر پہلو شامل ہوا، جس کے مطابق عدالتی فیصلوں پر تنقیدی نظرثانی کو بھی شفاف احتساب کے دائرہ کار میں شامل تصور کیا جانے لگا۔ اس طرزِ احتساب کے تحت نہ صرف عدالتی فیصلوں میں موجود ممکنہ قانونی نقائص یا مبہم نکات کو نمایاں کیا جا سکتا ہے، بلکہ یہ عمل جج صاحبان کے کردار، دیانت اور قانونی بصیرت کے معیارات کو بھی پرکھنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ مزید برآں، اس سے یہ پیغام بھی واضح ہوتا ہے کہ اگرچہ بعض جج فوری طور پر مواخذے سے بچ سکتے ہیں، لیکن ان کے فیصلے بعد از وقت بھی تنقیدی جانچ کے مرحلے سے گزر سکتے ہیں، اور عدالتی تاریخ میں ان کے کردار کا از سر نو جائزہ ممکن ہے۔ ایسی ہی ایک مثال اُس وقت منظرِ عام پر آئی جب سپریم کورٹ آف پاکستان نے تقریباً پچاس سال پرانے ایک مقدمے کو دوبارہ سماعت کے لیے پیش کیا، اور اس میں موجود قانونی کمزوریوں اور تشریحات پر تفصیلی غور و خوض کیا۔ اس تناظر میں، آئینی تعبیر و تفسیر کے ضمن میں عالمی سطح پر تین مرکزی نظریات کو اہمیت دی جاتی ہے، جو قانونی فیصلوں کی فکری بنیادوں کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔

متنی تعبیر :(Textualism) اس نظریے میں آئینی دفعات کو ان کے لغوی اور ظاہری معنی کی روشنی میں سمجھا اور نافذ کیا جاتا ہے۔

اصل ارادے کی بنیاد پر تعبیر :(Originalism) اس تصور کے مطابق آئین کی تشریح اس وقت کے قانون سازوں کے اصل ارادے اور تاریخی سیاق و سباق کو مد نظر رکھ کر کی جاتی ہے۔

ارتقائی آئین :(Living Constitution) اس نظریے کے تحت آئین کو ایک زندہ دستاویز تصور کیا جاتا ہے، جس کی تعبیر وقت، حالات اور جدید تقاضوں کے مطابق تبدیل ہو سکتی ہے تاکہ وہ عصری مسائل سے ہم آہنگ رہے۔

اگرچہ ان تمام نظریات کا مقصد قانون و انصاف کی فراہمی اور آئین کی بہتر تفہیم ہے، لیکن اگر کوئی جج ان نظریات کی آڑ میں آئینی احکام کی تعبیر کے بجائے ذاتی رجحانات یا مفادات کی بنیاد پر تحریف یا غلط تشریح کرے، تو ایسی صورت میں اسے احتساب سے مستثنیٰ نہیں سمجھا جا سکتا۔

بعض ماہرین قانون کا ماننا ہے کہ پاکستان کی عدالتی تاریخ میں بعض فیصلے ایسے بھی سامنے آئے ہیں جن میں آئینی دفعات کی تشریح انصاف کے بجائے مخصوص مقاصد کے تحت کی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ بعض سپریم کورٹ کے ججز نے بھی بعض فیصلوں سے اختلاف کیا اور اس پر اپنی رائے دی۔

ایسا ہی ایک موقع اس وقت سامنے آیا جب صدرِ پاکستان نے سپریم کورٹ کو ایک آئینی ریفرنس بھجوایا۔ اس ریفرنس پر

پانچ رکنی بینچ نے 17 مئی 2022 کو اپنا فیصلہ صادر کیا، تاہم بینچ کے دو ججز نے اکثریتی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے اپنے الگ اور مفصل نوٹ جاری کیے، جو عدلیہ میں فکری تنوع اور آزادیِ رائے کا مظہر ہے۔

> *In our view, would amount to re-writing or reading into the Constitution and will also affect the other provisions of the Constitution, which has not even been asked by the president through this Reference. Therefore, it is not our mandate.*

ہمارے نزدیک اس نوعیت کا اقدام محض چند دفعات کی تشریح تک محدود نہیں رہے گا، بلکہ اس کے اثرات آئین کے مجموعی ڈھانچے پر مرتب ہوں گے۔ اس لیے اسے آئینی متون کی جزوی وضاحت کے بجائے آئینی ساخت میں مداخلت تصور کیا جا سکتا ہے، جو کہ عدالتی دائرہ اختیار سے تجاوز کے مترادف ہے۔ یہی بنیاد ہے جس پر یہ مؤقف اختیار کیا جا سکتا ہے کہ ایسا معاملہ عدالتی فورم کے بجائے قانون ساز اداروں کی صوابدید میں آتا ہے۔

پاکستان کی عدالتی تاریخ میں متعدد ایسے مواقع دیکھے گئے ہیں جب عدالتوں نے آئینی تشریحات کے دوران اپنی حدود سے آگے بڑھ کر فیصلے صادر کیے، یا ان آئینی قیود کو نظرانداز کیا جنہیں بنیادی قانون کے تحت تسلیم کیا گیا تھا۔ بعض صورتوں میں یہ طرزِ عمل مخصوص مقدمات کے نتائج پر اثرانداز ہونے یا کسی فریق کو نقصان پہنچانے کا ذریعہ بنا۔

قریبی ماضی میں، عدالتِ عظمیٰ نے ایک صدارتی ریفرنس کی سماعت کے دوران سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کے عدالتی مقدمے کا حوالہ دیا۔ سپریم کورٹ نے یہ رائے ظاہر کی کہ انہیں اپنی عدالتی کارروائی کے دوران منصفانہ سماعت کا حق حاصل نہ ہو سکا، جو کہ آئینی وانسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزی تھی۔ خود ذوالفقار علی بھٹو نے بھی اپنی معروف تحریر If I Am Assassinated میں اُس وقت کے چیف جسٹس لاہور ہائی کورٹ، مولوی مشتاق حسین، کے طرزِ عمل پر شدید اعتراضات اٹھائے تھے، اور اپنے مقدمے کی سماعت کے حوالے سے سنجیدہ خدشات کا اظہار کیا تھا۔ ان خدشات سے یہ پہلو بھی واضح ہوتا ہے کہ عدالتی غیر جانبداری کے اصول بعض اہم مواقع پر سوالات کی زد میں آئے ہیں۔

> *The conduct and attitude of the Chief Justice of the Lahore High Court has been a sordid saga. Sins the salient excesses and abuses of his position as the Chief Justice of the Lahore High Court form o part of my Memorandum of Appeal in the Supreme Court, I am not going to burden this narration with the story of his unique performance. Not being content with his judgment to hang me by the neck until I die, which words he uttered with such relish, he saw to it that I was transferred to death cell, a humiliation worse than death itself.*[27]

چیف جسٹس لاہور ہائی کورٹ کا رویہ بدتہذیبی کی ایک مثال تھا۔ یہ سپریم کورٹ میں دائر میری اپیل کے میمورنڈم کا حصہ ہے، اس لیے میں اس پر زیادہ تفصیل سے بات نہیں کروں گا۔ تاہم، انہوں نے صرف مجھے سزائے موت دینے پر ہی اکتفا نہیں کیا، بلکہ اپنے فیصلے کے الفاظ میں خاص تلذذ کا اظہار کیا اور یہ بھی یقینی بنایا کہ مجھے فوراً موت کی کال کوٹھڑی میں منتقل کر دیا جائے۔ یہ صورت حال خود موت سے بھی زیادہ اذیت ناک تھی۔

اسی کتاب کے صفحات 65 اور 199 پر وہ مزید لکھتے ہیں کہ "میں چیف جسٹس کی طنزیہ مسکراہٹوں، توہین آمیز رویے اور بدتمیزی کا سامنا کر رہا تھا، جہاں مجھ پر بلند آواز میں چیخا جاتا، جبکہ وہ دوسرے ملزمان، جنہوں نے اعترافِ جرم کر لیا تھا، کے

ساتھ نرمی اور شفقت سے پیش آ رہے تھے۔" یہ مقدمہ اس بات کا عکاس ہے کہ کارروائی کے دوران ایک فریق کو شکایت تھی کہ اس کے ساتھ امتیازی اور غیر مناسب رویہ اپنایا گیا۔ سپریم کورٹ آف پاکستان نے 13 سال قبل دائر کیے گئے ریفرنس پر فیصلہ سناتے ہوئے اس بات کی توثیق کی کہ 6 مارچ 2004 کو یہ تسلیم کیا گیا تھا کہ اس مقدمے میں انصاف کے تقاضے پورے نہیں کیے گئے۔ اس عدالتی فیصلے نے ذوالفقار علی بھٹو کے اس موقف کی تصدیق کر دی کہ ان کے ساتھ غیر منصفانہ سلوک روا رکھا گیا تھا۔

وفاقی محتسب:

پاکستان میں وفاقی محتسب (Ombudsman) کا ادارہ شہریوں کو سرکاری محکموں کی بدانتظامی، ناانصافی یا اختیارات کے غلط استعمال کے خلاف ایک موثر قانونی راستہ فراہم کرتا ہے۔ اگرچہ اس ادارے کا دائرہ کار مختلف وفاقی و صوبائی اداروں تک پھیلا ہوا ہے، تاہم آئینی طور پر بعض ادارے اس کی عملداری سے مستثنیٰ قرار دیے گئے ہیں۔ ان میں اعلیٰ عدلیہ، یعنی سپریم کورٹ اور تمام ہائی کورٹس، شامل ہیں۔ اس آئینی استثناء سے یہ اصول اخذ کیا جاتا ہے کہ اعلیٰ عدالتوں کے معزز جج صاحبان کے خلاف وفاقی یا صوبائی محتسب کے توسط سے کسی بھی نوعیت کی کارروائی ممکن نہیں۔ ان کے احتساب کے لیے ایک مخصوص آئینی میکانزم، یعنی سپریم جوڈیشل کونسل، آئینِ پاکستان کے آرٹیکل 209 کے تحت قائم کیا گیا ہے، جو عدالتی وقار اور عدلیہ کی آزادی کے اصول کو ملحوظ رکھتے ہوئے کارروائی کا اختیار رکھتا ہے۔

اس کے برعکس، ماتحت عدلیہ کے حوالے سے قانونی پوزیشن کچھ مختلف نوعیت کی ہے۔ اگر کسی جج کا کردار انتظامی نوعیت کا ہو، یا وہ انتظامی اختیارات استعمال کر رہا ہو، تو اس صورت میں اس کے خلاف شہری شکایت وفاقی یا متعلقہ صوبائی محتسب کے پاس دائر کر سکتے ہیں۔ چونکہ ماتحت عدالتوں کے ججز عمومی طور پر صوبائی عدالتی نظام کا حصہ ہوتے ہیں اور بعض اوقات ان کے افعال انتظامی دائرہ کار میں آتے ہیں، اس لیے ان کے خلاف محتسب کے پلیٹ فارم سے رجوع کرنے کی گنجائش قانونی طور پر موجود رہتی ہے، بشرطیکہ شکایت کا تعلق انتظامی یا طرزِ عمل کے پہلو سے ہو، نہ کہ عدالتی فیصلے سے۔

ڈاکٹر ایم ایس ناز، جو "اسلامی محتسب" کے نظریے پر تحقیق کر چکے ہیں، بیان کرتے ہیں کہ موجودہ وفاقی محتسب کا نظام شہریوں کو یہ سہولت فراہم کرتا ہے کہ اگر کسی شخص کو کسی وفاقی ادارے کے خلاف شکایت ہو، تو وہ واقعہ پیش آنے کے تین ماہ کے اندر اپنی درخواست جمع کرا سکتا ہے۔ اگرچہ عمومی طور پر شکایت مقررہ مدت کے اندر ہی قابلِ سماعت سمجھی جاتی ہے، تاہم وفاقی محتسب کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ غیر معمولی نوعیت کی شکایات کو مقررہ مدت گزرنے کے باوجود بھی سماعت کے لیے منظور کر سکتا ہے۔

شکایت اگر ابتدائی جانچ کے بعد قابلِ کارروائی قرار پائے، تو متعلقہ ادارے یا محکمے کو نوٹس جاری کیے جاتے ہیں، تاکہ وہ اپنا مؤقف یا دفاعی جواب پیش کر سکیں۔ تفتیشی عمل مکمل ہونے کے بعد اگر بدانتظامی، نااہلی یا بدسلوکی ثابت ہو جائے، تو محتسب مندرجہ ذیل میں سے ایک یا ایک سے زائد اقدامات کی سفارش کر سکتا ہے:

متعلقہ معاملے پر از سرِ نو غور کیا جائے؛

جاری کردہ حکم کو منسوخ یا اس میں مناسب ترمیم کی جائے؛

متاثرہ فرد کو مکمل وضاحت فراہم کی جائے؛

متعلقہ سرکاری ملازم کے خلاف محکمانہ کارروائی عمل میں لائی جائے؛
کسی مخصوص مدت کے اندر شکایت کا حل یقینی بنایا جائے؛
ادارے کی کارکردگی میں بہتری کے لیے اصلاحی اقدامات کیے جائیں۔

اگر کسی سرکاری ادارے کی جانب سے محتسب کی سفارشات پر عمل درآمد نہ کیا جائے، تو یہ قانون شکنی کے مترادف ہوگا۔ ایسی صورت میں محتسب صدرِ پاکستان کو رپورٹ ارسال کر سکتا ہے، جنہیں اختیار حاصل ہے کہ وہ متعلقہ ادارے کو سفارشات پر عملدرآمد کا حکم دیں۔

علاوہ ازیں، اگر تفتیش کے نتیجے میں یہ واضح ہو جائے کہ کسی سرکاری اہلکار کی بدانتظامی یا بدعنوانی کی وجہ سے کسی شہری کو مالی یا نفسیاتی نقصان پہنچا ہے، تو محتسب متاثرہ فرد کو معاوضہ دلوانے کا حکم جاری کر سکتا ہے۔ اس کے برعکس، اگر یہ ثابت ہو جائے کہ شکایت بدنیتی پر مبنی یا جھوٹ پر مشتمل تھی، تو محتسب شکایت کنندہ سے نقصان کی تلافی کا مطالبہ بھی کر سکتا ہے، تاکہ بے بنیاد الزامات کی روک تھام کی جا سکے۔[28]

ججز کے احتساب سے متعلق اسلامی اور پاکستانی قوانین کا تقابلی مطالعہ

اسلامی قانون اور پاکستانی قانونی نظام کے تحت ججز کے احتساب کا معاملہ دونوں نظاموں میں واضح اصولوں اور دائرہ کار کے فرق کے باوجود ایک مشترکہ مقصد یعنی عدل و انصاف کے قیام اور عدلیہ کی شفافیت کو یقینی بنانے کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ اسلامی شریعت میں منصبِ قضاء ایک اعلیٰ امانت اور اخلاقی ذمہ داری کے طور پر دیکھا جاتا ہے، جس میں قاضی کو نہ صرف عدل قائم کرنے بلکہ اپنی ذاتی خواہشات، مفادات یا رشتہ داری سے بالاتر ہو کر فیصلے کرنے کی سخت ہدایت دی گئی ہے۔ قرآنِ کریم اور سنتِ نبوی ﷺ میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ عدل سے انحراف، تعصب، رشوت یا ظلم کرنے والا قاضی دنیوی اور اخروی مواخذے کا مستحق ہے، اور فقہائے اسلام جیسے امام ماوردیؒ، امام ابو یوسفؒ اور ابن تیمیہؒ نے عدلیہ میں نظم و شفافیت قائم رکھنے کے لیے معزولی، ریاستی نگرانی اور دیگر احتسابی اقدامات کے واضح اصول مرتب کیے ہیں۔ اسلامی قانون میں قاضی کے لیے نہ صرف عدالتی بلکہ اخلاقی اور دینی معیار بھی لازمی ہیں، اور عدل کی خلاف ورزی، مالی بدعنوانی یا ناحق فیصلے کی صورت میں نہ صرف معزولی بلکہ اخروی سزا کا تصور بھی موجود ہے، جو عدلیہ میں احتساب کی ایک جامع اور سخت نظامت فراہم کرتا ہے۔

پاکستانی قانونی نظام میں ججز کا احتساب بنیادی طور پر آئینی اور قانونی فریم ورک کے تحت ممکن ہے۔ ججز کو "سرکاری ملازم" کے طور پر تعزیراتِ پاکستان 1860ء کے تحت شامل کیا گیا ہے، جس کے مطابق ان کے خلاف بدعنوانی، رشوت یا اختیارات کے ناجائز استعمال کی صورت میں قانونی کارروائی کی جا سکتی ہے۔ تاہم، ججز کی منصبی حساسیت اور عدلیہ کی آزادی کے پیشِ نظر ان کے لیے ایک مخصوص آئینی طریقہ کار وضع کیا گیا ہے۔ آئینِ پاکستان کے آرٹیکل 209 کے تحت سپریم جوڈیشل کونسل کے ذریعے اعلیٰ عدلیہ کے ججز کے خلاف شکایات کی شفاف اور بااعتماد چھان بین کی جاتی ہے، جبکہ ماتحت عدلیہ کے ججز کے انتظامی معاملات میں وفاقی یا صوبائی محتسب شکایات کی تحقیقات کر سکتا ہے۔ پاکستانی قوانین میں ججز کے فیصلوں اور طرزِ عمل کی نگرانی قانونی اور ادارہ جاتی دائرہ کار کے تحت کی جاتی ہے، اور عدالتی استثناء (Judicial Immunity) کے تحت نیک نیتی سے کیے گئے فیصلوں پر قانونی کارروائی ممکن نہیں ہوتی، سوائے اس کے کہ بدنیتی، اختیارات سے تجاوز یا قانون شکنی واضح طور پر ثابت ہو۔

دونوں نظاموں میں ایک نمایاں مماثلت یہ ہے کہ رشوت، مالی بدعنوانی، اختیارات کے ناجائز استعمال اور عدل سے انحراف کی صورت میں ججز قابلِ مواخذہ اور سزا کے مستحق ہیں۔ تاہم فرق یہ ہے کہ اسلامی قانون میں اس کی بنیاد اخلاقی و دینی معیار ہے، اور اس میں اخروی سزا کے تصورات بھی شامل ہیں، جبکہ پاکستانی قانون میں یہ بنیاد قانونی، آئینی اور ادارہ جاتی اصولوں پر مبنی ہے، جس میں معطلی، برطرفی، جرمانہ یا قید کے ذریعے دنیوی احتساب کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ، اسلامی قانون میں عدل کی خلاف ورزی ریاستی استحکام اور عوامی اعتماد پر بھی اثر ڈالتی ہے، جبکہ پاکستانی قانون میں ادارہ جاتی شفافیت، سپریم جوڈیشل کونسل اور محتسب کے ذریعے عمل درآمد کو یقینی بنایا جاتا ہے۔

نتیجتاً، اگرچہ اسلامی اور پاکستانی نظام میں ججز کے احتساب کے طریقہ کار میں فرق موجود ہے اسلامی قانون میں اخلاقی، دینی اور عدالتی معیار کی بالادستی ہے اور پاکستانی قوانین میں قانونی و آئینی فریم ورک دونوں کا بنیادی مقصد ایک ہی ہے : عدلیہ میں شفافیت، عوامی اعتماد کی حفاظت اور عدل و انصاف کے قیام کو یقینی بنانا۔ دونوں نظام اس بات پر زور دیتے ہیں کہ منصبِ قضاء محض اختیار یا طاقت کا نام نہیں، بلکہ ایک امانت ہے جس کے ساتھ سخت جواب دہی اور احتساب لازم ہے، اور عدل کی خلاف ورزی ہر صورت میں قابلِ مواخذہ ہے۔

نتائج البحث:

1. **منصبِ قضاء کی امانت اور جواب دہی**

اسلامی اور پاکستانی قوانین دونوں میں قاضی یا جج کے منصب کو ایک اعلیٰ امانت کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے، جس کے ساتھ سخت اخلاقی، دینی اور قانونی جواب دہی لازمی ہے۔ اسلامی شریعت میں یہ جواب دہی دینی اور اخروی دونوں سطحوں پر نافذ ہے، جبکہ پاکستانی قوانین میں یہ آئینی اور قانونی فریم ورک کے تحت ممکن ہے۔

2. **عدل و انصاف کی بالادستی:**

دونوں نظام اس بات پر زور دیتے ہیں کہ ججز کے فیصلے عدل، غیر جانبداری اور شفافیت کے معیار پر مبنی ہونے چاہئیں۔ اسلامی قانون میں عدل کو ریاستی استحکام اور فرد کی نجات سے جوڑا گیا ہے، جبکہ پاکستانی قوانین میں عدالتی آزادی اور ادارہ جاتی شفافیت کے ذریعے عدل کو یقینی بنایا جاتا ہے۔

3. **رشوت اور بدعنوانی کی سزا:**

اسلامی قانون میں رشوت اور مالی بدعنوانی کی سخت دینی اور اخلاقی ممانعت ہے، اور اس کے لیے اخروی و دنیوی سزا متعین ہے۔ پاکستانی قانون میں بھی رشوت اور مالی بدعنوانی کے لیے قانونی کارروائی، قید یا جرمانے کی پابندی ہے، جو ادارہ جاتی اور قانونی فریم ورک کے تحت نافذ ہوتی ہے۔

4. **قاضی کے غیر جانبدارانہ کردار کی ضرورت:**

دونوں نظاموں میں ججز کی غیر جانبداری لازمی ہے۔ اسلامی شریعت میں تعصب یا ذاتی تعلقات کے باعث عدل سے انحراف قابلِ مواخذہ ہے، جبکہ پاکستانی نظام میں بھی جج کی بدنیتی یا اختیارات سے تجاوز ثابت ہونے پر قانونی اور آئینی کارروائی ممکن ہے۔

5. **ادارہ جاتی نگرانی**

اسلامی قانون میں امام یا حکمران کو عدلیہ کی نگرانی اور احتساب کرنے کی ذمہ داری دی گئی ہے، جبکہ پاکستانی نظام میں سپریم جوڈیشل کونسل اور محتسب جیسے اداروں کے ذریعے اعلیٰ اور ماتحت ججز کی شفاف نگرانی ممکن ہے۔

6. **احتساب کا متنوع نظام:**

اسلامی اور پاکستانی قوانین میں احتساب کے مختلف پہلو موجود ہیں: اسلامی قانون میں دینی مواخذہ، معزولی اور اخلاقی تقاضے شامل ہیں، جبکہ پاکستانی قوانین میں قانونی کارروائی، برطرفی، معطّلی اور عدالتی ریویو کے ذریعے احتساب ممکن ہے۔ دونوں نظام شفاف عدلیہ اور عوامی اعتماد کے لیے ضروری اقدامات فراہم کرتے ہیں۔

7. **مشترکہ مقصد:**

دونوں نظاموں کا بنیادی مقصد ایک ہے: منصبِ قضاء کو طاقت یا ذاتی مفاد کا ذریعہ نہیں بلکہ ایک امانت کے طور پر دیکھنا، عدل و انصاف کو یقینی بنانا، اور عدلیہ میں شفافیت و عوامی اعتماد قائم رکھنا۔ اسلامی قانون اخلاقی و دینی معیار پر زور دیتا ہے، جبکہ پاکستانی قانون قانونی وآئینی فریم ورک کے ذریعے ان اصولوں کو عملی شکل دیتا ہے۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

حواشی و حوالہ جات

1) القرآن، سورۃالرحمٰن، آیت نمبر: 05

2ابن منظور، جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور الافریقی المصری، لسان العرب، دار صادر، بیروت، باب الباء ۔ح ۔س۔ب، الجزء الاول، ص: 310

3 الرازی، محمد بن اِبی بکر بن عبدالقادر، مختار الصحاح، تحقیق: محمود خاطر، مکتبۃ لبنان ناشرون، بیروت، ط5، 1995ء، ص23۔

4 ابن منظور، محمد بن مکرم، لسان العرب، دار صادر، بیروت، 1414ھ/1994م، ج2، ص310، مادہ: "حسب"۔

5) الماوردی، ابی الحسن علی بن محمد بن حبیب البصری، الاحکام السلطانیۃ، تحقیق: احمد جاد، دارالحدیث، القاہرۃ، ط2006، ص: 349۔

6 تہانوی، محمد اعلی تہانوی، کشاف اصطلاحات الفنون، مکتبۃ لبنان، بیروت، ط: 1996ء، ص: 108

7) شیخ الاسلام، احمد بن عبدالحلیم ابن تیمیۃ، الحسبۃ فی الاسلام او وظیفۃ الحکومۃ الاسلامیۃ، ناشر: دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ص: 15۔

8) ابن تیمیۃ، اِحمد بن عبدالحلیم، الحسبۃ فی الاِسلام، ص16، مکتبہ المعارف، الریاض، 1992ء۔

9القرآن، سورۃ اٰل عمران آیت نمبر: 104

10 القرآن، سورۃ التغابن آیت نمبر: 16

11 صحیح مسلم، کتاب الاِیمان، باب: بیان کون النہی عن المنکر من الاِیمان، حدیث نمبر: 49 (القدیم)/ رقم الحدیث: 177 (الجدید، جلد

1، صفحہ 69-70 (بعض نسخوں میں 76

12 القرآن، سورۃالنساء، آیت نمبر ۵۸

13 القرآن، سورۃالنساء، آیت 135

14 القرآن، سورۃالمائدہ، آیت 8

15 ابو داود، السنن، کتاب الأقضیۃ، حدیث: 3573

16 مسلم، الصحیح، کتاب الإمارۃ، حدیث: 1827۔

17 ترمذی، السنن، کتاب الأحکام، حدیث: 1337۔

18 الماوردی، الأحکام السلطانیۃ، دار الفکر، ص 92۔

19 ابو یوسف، کتاب الخراج، دار المعرفۃ، ص 182۔

20 ابن تیمیہ، السیاسۃ الشرعیۃ، دار الکتب العلمیۃ، ص 15۔

21 مجموعہ تعزیراتِ پاکستان 1860ء، باب: 2، دفعہ: 14

22 ایضا، باب: 2، دفعہ: 19

23 مجموعہ تعزیراتِ پاکستان 1860ء، باب: 4، دفعہ: 77

24 مجموعہ تعزیراتِ پاکستان 1860ء، باب: 9، دفعہ: 161

25 مجموعہ تعزیراتِ پاکستان 1860ء، باب: 9، دفعہ: 166

26 روزنامہ جنگ لاہور، ص: 4، 10، مارچ 2007ء۔

27)If I am Assassinated , published by sani H. Panhwar p:60

28 ڈاکٹر ایم ایس ناز، اسلامی ریاست میں محتسب کا کردار، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، ص: 371۔